بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت آدم علیہ السلام کے نسیان اور نوع انسان کی عجلت پسندی کے بواعث

شاہد حسین نمبر۶

احمدی بھائیوں کے نام السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

Dt: 27 Sep 08ء

امابعدہ گزارش ہے کہ راقم غلام احمد احباب جماعت مسیح موعود کی خدمت میں اس عیدالفطر کے موقعہ پر ایک تحفہ ارسال کر رہا ہے جو کہ حضرت ایوب احمدیت مرزا رفیع احمد کی بیان فرمودہ اعجازی تفسیر قرآن کا ایک درخشاں جز ہے۔ یہ تفسیر آپ نے پندرہویں صدی ہجری میں درپیش مسائل امت اور نوع انسان کے حل کیلئے رقم فرمائی تھی۔ یہ تفسیر موجودہ زمانہ کی ضرورت کے مطابق صرف ان چند سورتوں کی ہے جن میں اس دور میں درپیش مشکلات کا حل بیان کیا گیا ہے اور قریباً چار ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اسمیں سورۃ المدثر بھی شامل ہے جو کہ چھ سو صفحات کی حامل ہے۔ یہ آپ نے ۱۹۸۲ سے قبل رقم فرمائی تھی اور اسکی کاپی اس راقم کو عطا فرمائی تھی۔ درج ذیل اس عظیم تفسیر کے چند صفحات بطور نمونہ ارسال ہیں جن میں عمومی طور پر نوع انسان میں عجلت پسندی کے میلان اور حضرت آدم علیہ السلام کے نسیان کے بواعث پر شرح وبسط اور scientific طریق پر قرآن کی تعلیم کے عین مطابق بحث اور تفسیر کی گئی ہے۔

احباب کرام سے استدعا ہے کہ خصوصی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس روحانی مائدہ کی اشاعت میں سب روکیں دور کر دے تا کہ جماعت مسیح موعود اور عامتہ الناس اس سے مستفید ہوسکیں۔ آمین

والسلام غلام احمد۔

معتمد ایوب احمدیت۔محمود ثانی

جزوی تفسیر سورۃ المدثر

لسان العرب میں ہے **دثور النفوس سرعۃ نسیانھا** کہ دثور انسان کی اس کمزوری کو بھی کہتے ہیں کہ وہ جلد بات بھول جاتا ہے اور سبق یاد کر کے اسے فراموش کر دیتا ہے۔
چنانچہ امام حسن بصری کا قول اہل لغت نے دیا ہے کہ **حادثوھذہ القلوب بذکراللہ فانھا سریعۃ الدثور** کہ اپنے دلوں کو یاد الٰہی سے جلاء بخشتے رہو کہ انسان جلد بھول جاتا ہے اور باب تفعّل میں تجنب کے معنی بھی ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں تحوّب گناہ سے بچا اور محفوظ ہوگیا۔یعنی تدثّر کے معنی ہوئے جلد بھولنے سے محفوظ رہا اور المدثر کے معنے بھول چوک سے محفوظ۔ یہ معنی بہت اہم اور المدثر کے معنی میں سے خاص طور غور کے لائق معنی ہیں اور اس میں للہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ دور جو آدم علیہ السلام کے دور سے شروع ہوا اس دور میں آدم علیہ السلام کے نسیان کے نتیجے میں نوع انسان ایک طرح سے Handicapped تھے یعنی آدم علیہ السلام کے اس فعل کے نتیجہ میں نوع انسان کے لئے مشکلات پیدا ہوگئی تھیں اور بنی نوع انسان ایک بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔
خاتم لانبیاء صلعم نے آ کر اپنی شفاعت اور بے نظیر پاک سیرت اور بے مثال نمونہ کے ذریعہ انسان کی وہ مشکل حل کر دی اور وہ بوجھ ان سے دور کر دیا جیسا کہ فرمایا **یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم** کہ نبی امی انسان سے ان بوجھوں کو دور کرنے والے ہیں جنکے نیچے وہ دبا ہوا تھا اور ان طوق وسلاسل کو توڑنے والے ہیں جن میں وہ بندھا ہوا تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عیسائیت کا یہ تصور کہ آدم نے گناہ کیا باطل اور قطعی باطل ہے۔ گناہ کہتے ہیں عمداً اور جان بوجھ کر خالق کے حکم کو توڑنا اور اسکی نافرمانی کرنا یہ جانتے

ہوئے کہ یہ بات نافرمانی ہے حضرت آدم علیہ السلام نے ہرگز ایسا نہیں کیا اور قرآن کریم بصراحت اسی عقیدہ کو باطل قرار دیتا ہے اور صاف فرماتا ہے کہ **نسی لم نجد لہ عزما** کہ انسان کو خواہ آدم کا فعل گناہ ہی نظر آئے مگر عالم الغیب جسکا حکم تھا اور جو بندے کے حال پر نظر رکھتا ہے اور بندے کی کوئی بات خواہ ظاہر ہو یا باطن اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ وہ جانتا ہے اور اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ آدم نے گناہ نہیں کیا بھول ہوئی مگر اسکے دل کا حال جاننے والا جانتا ہے کہ آدم کا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا کہ وہ اپنے رب کی خلاف ورزی کرے اور اسکے دل میں نافرمانی کا کوئی خیال نہیں تھا پس یہ عقیدہ باطل ہے کہ آدم نے گناہ کیا اور یہ خیال کہ آدم کا گناہ آگے ورثہ میں چلا اس سے بھی بڑھ کر باطل ہے کیونکہ اوّل تو کوئی گناہ ہی نہ تھا اور یہ آدم پر تہمت ہے کہ اس نے گناہ کا ارتکاب کیا دوسرے یہ خیال کہ باپ دادا کا گناہ اولاد کو ورثہ میں ملتا ہے اس سے بھی بڑی تہمت ہے کہ پہلی تہمت تو آدم پر ہے اور دوسری خدائے رحیم وکریم پر کہ گناہ کوئی کرتا ہے اور وہ جو رحم کرنے والا خدا ہے جو ہرگز کسی بندے پر ظلم نہیں کرتا اس نے نعوذ وباللہ اپنے وعدے کے برخلاف اور اپنی صفت کے خلاف کہ **ان اللہ لیس بظلام اللعبید** اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ذرّہ بھر ظلم نہیں کرتا یہ صاف اور واضح وعدہ فرما کر انسان پر بلکہ اسکی ساری نسلوں پر اتنا بڑا ظلم کیا کہ ایک کے گناہ کی سزا سب کو دیدی اور ایک کی نافرمانی کا مجرم ساری نسل کو قرار دے دیا پس یہ عقیدہ تو باطل اور قطعی باطل ہے

لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ وہ عمارت جو حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ کھڑی کی گئی حضرت آدم علیہ السلام کے اس نسیان اور انکے اس فعل کے نتیجہ میں اس بنیاد میں ایک نقص ضرور واقع ہو گیا اور پھر بعد میں جتنے بھی انبیاء آئے چونکہ وہ اسی بنیاد پر عمارت تعمیر کرتے رہے اسلئے وہ بنیادی نقص اسی عمارت میں قائم رہا تا آنکہ جناب سید المرسلین تشریف لائے اور آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس بنیادی نقص کو دور کر کے ایک نئی اور وسیع تر بنیاد پر نئے سرے سے تعمیر کا کام شروع کیا اور انسان کو اس بوجھ سے نجات دی جیسا کہ فرمایا **یضع عنھم اصرھم**

آنحضرت صلعم کا انسان کے بوجھ کو دور کرنا کئی معنوں میں ہے۔ جہاں تک آدم علیہ السلام کی اس بھول کا تعلق ہے رسول اللہ صلعم نے اس بوجھ سے انسان کو دو طرح سے نجات دی اوّل یہ ثابت کر کے کہ آدم بے گناہ تھے دوسرے اس نسیان کا تدارک کر کے ان عوامل کا تدارک کر کے جسکے نتیجہ میں انسان کے اندر یہ میلان پیدا ہوتا ہے کہ وہ غیر شعوری طور پر خدا کے حکم کو بھول جانا چاہتا ہے کہ وہ حکم الٰہی کو اپنی مرضی اور اپنی خواہش کی راہ میں روک سمجھتا ہے۔ شریعت محمدی کی یہ خوبی اور فضیلت محتاج بیان نہیں کہ اس پاک شریعت میں صرف اوامر نواہی ہی نہیں بلکہ انکی حکمتیں بھی بیان کی گئی ہیں اور ہر حکم جو خالق کائنات کی طرف سے انسان کو دیا گیا ہے اسکی حکمتوں کو بڑے دل پزیر انداز میں انسان کے ذہن میں رائج کیا گیا ہے اور اسکو اچھی طرح بتا دیا گیا ہے اور سمجھا دیا گیا ہے کہ یہ حکم تیرے فائدے کے لئے ہے اور اسکے بغیر کوئی صورت فائدے اور تیری نجات کی نہیں۔

بہر حال آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک واضح اور حتمی حکم دیا تھا کہ **لا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظالمین** کہ اس درخت کے قریب بھی مت پھٹکنا ورنہ ظالم ہو جاؤ گے یعنی ایسے میلانات ظاہر ہو جائیں گے جنکے نتیجے میں انسان وہ کرتا ہے جو نہیں کرنا چاہئے اور وہ نہیں کرتا جو کرنا چاہئے کہ ظلم کے معنی **وضع الشیئ فی غیر موضعہ** یعنی کسی چیز کو وہاں رکھنا جو اسکا مقام نہیں ہے یا بے موقع کام کرنا پھر فرمایا کہ **فلما ذاقا الشجرۃ** کہ جب آدم اور اسکے ساتھی نے اس حکم کا خیال نہ کیا اور اس درخت کا پھل کھا لیا جس کے کھانے سے انکے رب نے انہیں روکا تھا تو اسکا وہی نتیجہ ہوا جو اللہ تعالیٰ نے انکو پہلے ہی بتا دیا تھا **بدت لھما سواٰتھما** انکے بد میلانات جو چھپے ہوئے تھے وہ ظاہر ہو گئے سواۃ کے معنی الصورۃ، ننگ، الخصتہ البھیمہ بری خصلت کے ہیں۔ **بدت لھما سواٰتھما** کہ وہی معنیٰ ہیں جو **تکونا من الظالمین** کے ہیں۔ میں بار بار پہلے لکھ چکا ہوں کہ قرآن کریم کی وہی تفسیر اولیٰ ہے جو خود قرآن کرے۔ دونوں آیات **لا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظالمین** اور **فلما ذاقا الشجرۃ بدت لھما سواٰتھما** کو جب بالمقابل رکھا جائے تو اسکے سوا کوئی معنیٰ ہو ہی نہیں سکتے کہ **بدت لھما سواٰتھما** کہ وہی معنیٰ ہیں جو **تکونا من الظالمین** کے ہیں۔ کوئی مومن یہ قبول نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا تھا کہ

شجرہ ممنوعہ کے پاس جانے سے تم ظالم ہو جاؤ گے لیکن نتیجہ کچھ اور نکلا۔ بجائے اسکے کہ وہ ظالم ہو جاتے انکی سوءات ظاہر ہو گئیں یعنیٰ خدا نے تو کچھ اور نتیجہ بتایا تھا لیکن نکلا کچھ اور نتیجہ یہ عقلاً اور نقلاً اور عرفاناً باطل ہے۔ پس واضح ہے کہ **بدت لھما سواٰتھما** کہ معنیٰ یہی ہیں کہ وہ ظالم ہو گئے پس **سوءات** کے معنی خود خدا کے کلام نے کر دئے کہ اس سے مراد وہ بد خصلت اور برے میلانات ہیں اور وہ غلط نسبت ہے اور وہ خراب رجحانات ہیں جو انسان کو نفسیاتی طور پر ایسے گنجھلک (complex) میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ وہ **وضع شئی فی غیر محلّہ** کا مرتکب ہوتا ہے۔ جانتا ہے کہ ایک بات اچھی ہے مگر ادھر نہیں جاتا۔ جانتا ہے کہ ایک بات بری ہے مگر ادھر کا ہی رخ کرتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ درخت کا پھل نہ کھانا بلکہ فرمایا تھا کہ اسکے پاس بھی نہ جانا اسکے قریب پھٹکنا بھی نہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اس حکمت کی طرف اشارہ کیا تھا کہ ہر چیز کا ایک دائرہ اثر یا دائرہ جزب ہوتا ہے (Magnetic Field) اسلئے جس نے کسی چیز سے بچنا ہو اسکے لئے حکمت و دانائی اسی میں ہوتی ہے کہ وہ اس چیز ہی سے نہ بچے بلکہ ان باتوں سے بھی بچے جو اسکے مبادیات میں سے ہیں اور جنکے نتیجہ میں انسان شئی ممنوع کے دائرہ اثر میں داخل ہو جاتا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے انسانی نفسیات کا ایک باریک راز نہایت پر حکمت طریق پر بتایا تھا مگر اس دور اول میں انسان نے اس حکمت کو بھلا دیا تب اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء کے ذریعہ ایک نیا دور شروع کیا جس میں اس بھول کا تدارک کیا گیا اور وہ تعلیم دی گئی جسکے نتیجہ میں انسان اس بھول جانے کے نفسیاتی عوامل سے آزاد کر دیا گیا یعنی فرمایا گیا اور تعلیم دی گئی کہ ہر ممنوع چیز کے کچھ مبادیات ہوتے ہیں اسکا دائرہ اثر ہوتا ہے۔ جس نے کسی چیز سے بچنا ہو اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ ان چھپے ہوئے ننگوں کو ظاہر نہ ہونے دے اور ان خراب رجحانات کو دبائے رکھے اور شیئ ممنوع کے قریب بھی نہ جائے۔ اسلامی تعلیم کی ایک بے نظیر خوبی ہے کہ جس چیز سے روکا اسکی حدود اچھی طرح واضح فرما دیں اور نہ صرف اسکی حدود بلکہ اسکے دائرہ اثر کی بھی خوبی کے ساتھ نشان دہی فرما دی اور فرما دیا کہ یہ دائرہ تو حرام کا ہے۔ مگر اس کے پاس جا کے سونگھنا نہ شروع کر دینا ورنہ پھر اسکا جزب اور اثر تمہیں اسطرح کھینچے گا کہ تم اپنے قابو میں نہیں رہو گے اسلئے ہر حرام کے گرد ایک اور حد کھینچ دی اور ایک اور دائرہ بنا دیا جسکو اسلام کی اصطلاح میں لمم کہتے ہیں یعنی وہ باتیں جو حرام تو نہیں ہوتیں مگر حرام کی طرف انجزاب کا رجحان پیدا کر دیتی ہیں یہ ایک بہت وسیع مضمون ہے کاش نفسیات کو علم قرار دینے اور علما نفسیات کہلانے والے اس حکمت پر غور کریں اور سیکھیں تا نفسیات جواب تک محض ایک قیاس آرائی اور قیاس آرائی بھی نہایت گندے اور پرورد اذہان کی قیاس آرائی ہے واقعی علم اور سائنس کا درجہ حاصل کر لے۔ قرآن کریم کی پاک تعلیم نے فطرت انسانی کے اس پہلو اور نفسیات انسانی کی اس پرابلم پر جس رنگ میں اور جس پر حکمت طریق پر روشنی ڈالی ہے وہ بہت وسیع مضمون ہے اور اسکا یہ موقع نہیں۔ دو مثالوں سے بات واضح ہو جاتی ہے شراب سے روکا تو ان برتنوں سے بھی روک دیا جو شراب کی محفلوں اور شراب نوشی کے ایام کی یاد تازہ کرنے والے تھے کیونکہ شراب حرام تھی اسکے مخصوص برتن اور وہ خاص ظروف جنکا شراب نوشی سے تعلق تھا انکو لمم قرار دے کر ایک اچھے اور سچّے مسلمان کیلئے انکا استعمال غیر مستحب قرار دے دیا۔ عفت کی تعلیم دی تو چونکہ یہ طوفان یعنی مرد اور عورت کی باہم ایک دوسرے کیطرف کشش ایک ایسا طوفان ہے کہ طوفان نوح کیطرح خدا کی رحمت ہی اس سے بچا سکتی ہے اسلئے اس طوفان سے خبردار کرنے کیلئے جگہ جگہ خطرے کے نشان کھڑے کر دئے اور اس ٹائی فون کیلئے کئی قسم کے سگنل مقرر کر دئے اور اس حرام کے گرد دائرے پر دائرے مقرر کر دئے تا کہ جو شخص عفت کو حاصل کرنا چاہے وہ ان خطرات کو دور سے بھانپ کر اپنی کشتی کو محفوظ ساحل پر لے جائے دوسرے کے گھر جانے کے کچھ اصول مقرر کر دئے مرد اور عورت کے درمیان اتنا فاصلہ کر دیا کہ بے قابو نہ ہونے پائیں دوسرے لفظوں میں segregation of sexes کے اصول بنائے لباس کیلئے اصول بنائے مرد کیلئے پردہ اور عورت کیلئے پردہ اور گھر کے اندر پردہ اور گھر کے باہر پردہ اور اگر عورت کو مرد سے بات کرنی ہو تو وہ کیا طریق اختیار کرے وغیرہ وغیرہ دائرے مقرر کر دئے کہ عفت کا حصول جسے دنیا ناممکن سمجھے بیٹھی تھی ممکن ہو گیا مرد کو کہا کہ اپنی نظر نیچی رکھو اور وہ نہ دیکھو کہ جسکے دیکھنے کے بعد بے قابو ہو جائے اور عورت کو کہا کہ اپنی نظریں جھکائے رہ تا بے خیالی میں ٹھوکر نہ کھا جائے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ المدثر کے خطاب میں جو امام المعصومین کو دیا گیا یہ مفہوم بھی ہے کہ وہ غلطی جو آدم سے بھول کے نتیجہ میں ہوئی اور جسکا خمیازہ انسان بھگت رہا تھا اب ایک ایسی تعلیم کے ذریعہ اسکا ازالہ کر دیا گیا ہے کہ جس نے ان اسباب کی نشان دہی کر دی ہے جسکے نتیجہ میں انسان بھول جانے کا عادی ہو جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ بھول جانا

صرف حافظے کی کمزوری کو نہیں کہتے بلکہ بھول جانا نفسیاتی مرض ہے اور بسا اوقات انسان اس چیز کو بھلانا چاہتا ہے اور بھلاتا ہے جسکو وہ اپنی خواہش کی راہ میں حائل سمجھتا ہے پنجابی کی یہ مثال نفسیات کے اس عقدہ کا خوب نقشہ کھینچتی ہے کہ جسکے نتیجہ میں انسان یہ عذر پیش کرنے کے قابل ہو جانا چاہتا ہے کہ بھول گیا تھا کہتے ہیں کہ جس پنڈ جانا نہیں اودھا راہ کیوں پچھیئے یعنی جس گاؤں کا رخ نہیں کرنا اسکا راستہ پوچھنا کونسی عقلمندی ہے۔

قرآن کریم کی سورۃ طٰحٰہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **لاتعجل بالقرآن من قبل ان یقضیٰ الیک وحیہ وقل رب زدنی علما ولقد عہدنا الیٰ آدم من قبل فنسی ولم نجدلہٗ عزما** فرمایا کہ اے ہمارے رسول قرآن کے بارے میں جلدی نہ کر اور اسکے نزول کو اور نزول کے وقت کو اپنے رب پر چھوڑ دے ہاں یہ دعا کرتا رہ کہ اے میرے رب مجھے علم میں بڑھاتا چلا جا اور ہم نے آدم کو بھی اس سے پہلے ایک ضروری حکم دیا تھا لیکن وہ بھول گیا اور غلطی سے وہ کام کر بیٹھا جو نہ کرنا چاہیئے تھا مگر یہ فعل بھول کے نتیجے میں تھا ہم نے اسکے دل میں نافرمانی کا ارادہ نہیں پایا اور ہم جانتے ہیں کہ آدم نے ارادۃً جان بوجھ کر حکم نہیں توڑا تھا جو کچھ ہوا وہ اسکی بھول کا نتیجہ تھا۔ سورۃ طٰحٰہ کی مندرجہ بالا آیت میں اصولی طور پر تین باتیں بیان ہوئیں ہیں اوّل یہ کہ شجرہ ممنوعہ جس سے آدم کو روکا گیا اسکا تعلق علم کے ساتھ تھا یا یوں کہنا چاہیئے کہ علوم میں سے کسی علم کے ساتھ تھا اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حصول علم کے طریقوں میں سے کسی طریق کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند کیا تھا مثال کے طور پر کسی شخص کا یہ تصوّر کہ ہر قسم کا علم اچھا ہوتا ہے اسلئے وہ کہے کہ میں حصول علم کیلئے کوئی نشہ آور دوا استعمال کر کے دیکھوں کہ اسکا کیا اثر ہوتا ہے اور سمجھے کہ اسطرح اسکا علم بڑھے گا تو یہ غلط تصوّر ہو گا دوسری مثال اسکی موجودہ زمانہ کے مغربی اہل فکر کا یہ تصوّر رہے کہ sex یعنی زن وشو کے تعلقات اور اسکے متعلقات کا علم چھوٹے بچوں کو دینا چاہیئے وہ اسکو ایک اچھی بات اور زیادت علم کا ذریعہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔

دونوں مثالیں جو میں نے دی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض علوم اور بعض طریق جو حصول علم کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں نہ صرف یہ کہ پسندیدہ نہیں بلکہ انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں تیسری مثال اسکی نبی اکرم صلعم کی وہ حدیث ہے جس میں حضور صلعم نے مسلئہ تقدیر میں زیادہ غور وخوض کو ناپسند فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ بات قوموں کی ہلاکت کا موجب ہوئی میری امّت کو اس سے بچنا چاہیئے۔ حضرت خلیفہ المسیح ثانی اس بات کی مثال کے طور پر کہ ہر علم ہر انسان کیلئے فائدہ مند نہیں ہوتا نیز اس بات کے ثبوت میں کہ ہر طریق حصول علم فائدہ مند نہیں بلکہ بعض طریق خطرناک بھی ہوتے ہیں یہ واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ دو دوستوں میں جن میں سے ایک احمدی اور دوسرا غیر احمدی تھا وفات مسیح کے مسئلہ پر گفتگو تھی وہ احمدی علم مناظرہ کا بہت گرویدہ تھا اس نے یہ تجویز کی کہ غیر احمدی سے کہا کہ تم وفات مسیح کے دلائل دو اور میں حیات مسیح کے دلائل دیتا ہوں چنانچہ ایسا کیا گیا اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اس غیر احمدی کا دل اس مسئلہ میں کھل گیا اور وہ احمدی ہو گیا اور اس احمدی کے دل میں ایسے شبہات پیدا ہوئے کہ آخر مرتد ہو گیا۔ پس میرے نزدیک شجرہ ممنوعہ کا تعلق کسی علم یا کسی طریقِ حصول علم کیساتھ تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا تھا جس طرح occult science یعنی مراقبہ اور علم توجہ کے ذریعے اسرار روحانی کا حصول ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؓ نے خواب میں درخت دیکھنے کی ایک تعبیر فرمائی ہے کہ اس سے مراد عالم ہوتا ہے علم تعبیر الرویا بھی بعض اوقات اسرار فرقانی کے حل میں مدد دیتا ہے جیسا کہ حضرت خلیفہ المسیح الثانی نے سورۃ الکھف کی تفسیر میں بدلائل ثابت کیا ہے نیز فری میسنوں کی اشاراتی زبان میں بھی درخت کا اشارہ علم توجہ اور علم الترب کیلئے استعمال ہوا ہے۔

بہر حال سورۃ طٰحٰہ کی آیات بالا میں واضح اشارہ ہے کہ شجرہ ممنوعہ کا تعلق کسی علم سے ہے جو میرے نزدیک علم توجہ ہے یعنی مراقبہ اور concentration کے ذریعہ آسمانی علوم کے حصول کی کوشش یا spirtualism یعنی یہ دعوی کے ہم اپنے علم کے زور سے روحوں سے تعلق قائم کر کے آسمانی علوم معلوم کر سکتے ہیں جیسا کہ بعثت نبوی کے وقت عرب کے کاہنوں کا ادعا تھا میرے نزدیک یہ معنی بہت واضح ہیں کیونکہ **لاتعجل بالقرآن** میں ایک نھی ہے اور اسکے بالمقابل فرمایا کہ **ولقد عہدنا الیٰ آدم فنسی** کہ ہم نے آدم کو بھی ایک حکم دیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ آدم کو دئے جانے جس حکم کی طرف اشارہ ہے وہ بھی ایک نہی تھی اور اسی قسم کی ایک نہی تھی جس قسم کی نھی لاتعجل بالقرآن میں دی گئی ہے اور ساتھ ہی **وقل ربّ زدنی علما** کہہ کر بتا دیا کہ اس نہی کا تعلق جو آدم علیہ السلام کو دی گئی تھی علم کیساتھ ہے کیونکہ جہاں **لاتعجل** کہہ کر نبی اکرم صلعم کو ایک بات سے روکا تو

قل ربّ زدنی علما کہ کرایک دوسری بات کا حکم دیا گیا پس **لاتعجل بالقرآن** نے واضح کر دیا کہ آدم کو جو حکم دیا گیا وہ بھی ایسا ہی حکم تھا اور ربّ زدنی علما نے بتا دیا کہ اسکا تعلق کسی علم یا حصول علم کے کسی خاص ذریعہ سے تھا اور جب ہم قرآن کریم میں تلاش کرتے ہیں کہ وہ نھی کونسی تھی جسکا آدم علیہ السلام سے متعلق ہے تو اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وہ **لا تقربا ھذہ الشجرۃ** کی نھی تھی چنانچہ سورۃ طٰحہٰ میں ان آیات کے بعد جو آدم کا قصّہ بیان فرمایا اس کے ضمن میں فرمایا **فوسوس الیھما الشیطان فقال یا آدم ھل ادلک علی شجرۃ الخلد و ملک لا یبلیٰ** یعنی شیطان نے وسوسہ اندازی کی اور آدم سے کہا کو میں تجھے ایک درخت کا علم دیتا ہوں جسکا پھل کھا کے تجھے سعادت ملے گی کہ وہ شجرۃ الخلد ہے یعنی جس درخت کے قریب جانے کو اللہ تعالیٰ نے شقاوت کا موجب قرار دیا تھا شیطان نے اسے سعادت کا موجب قرار دیا اور جسکا پھل کھانے کا نتیجہ خدا تعالیٰ نے ظالم ہونا اور اپنی ناراضگی قرار دیا تھا شیطان نے اسے دائمی بادشاہت یا قرب و رضا کا موجب ظاہر کیا۔

اس واقعہ کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو بعض معرفت کے سبق دئے ہیں اور بعض ایسے گُر سکھائے ہیں جنکے نتیجہ میں اس بات کا امکان نہیں رہا کہ وہ غلطی کسی بھی صورت میں دوبارہ ہو جو ایک بار ہو چکی اور پھر فرمایا **لعلک ترضیٰ** اس سے پتہ چلا کہ شیطان لعین جھوٹا تھا اور وہ شجرہ شجرۃ الخلد نہ تھا اور وہ ملک ملک لا یبلیٰ نہ تھا جسکا وہ پتہ بتا رہا تھا بلکہ شجرۃ الخلد وہ ہے جو رسول عربی صلعم کو دیا گیا یعنی قرآن جسکے متعلق فرمایا **طٰحہٰ ماانزلنا علیک القرآن لتشقیٰ** اس درخت کا پھل کھانے کا نتیجہ جنّت سے نکالا جانا اور شقاوت پر منتج فرمایا تھا مگر قرآن وہ شجرہء مبارک ہے جو ہمیشہ کی جنّت اور دائمی سعادت اور ابدی راحت اور ہمیشہ کیلئے شقاوت سے بچانے کے سامان کرتا ہے اور قرآن ہی ملک یا یبلیٰ ہے اور ملک لا یبلیٰ کا وارث کرنے والا ہے کہ یہ آسمانی بادشاہت دائمی بادشاہت ہے اور اسی دائمی بادشاہت کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا **لعلک ترضیٰ** کہ تو راضی ہو جائے گا یعنی تیری رضاء مولا کی رضاء ہو جائے گی اور تیری رضاء میں مولا کریم کی رضاء ہو جائے گی اسی کو دائمی بادشاہت کہتے ہیں کہ ایک انسان اس مقام ارفع تک پہنچے کہ اسکی مرضی خدا کی مرضی اور اسکی ناراضگی خدا کی ناراضگی اور اسکو راضی کرنے میں اس احد و صمد ازلی ابدی محبوب کی خوشنودی ہو اور یہ ملک لا یبلیٰ اسکو دیا گیا جسکا نام نامی طٰحہٰ ہے یعنی وہ نور اوّل جو حسن و نور کے سانچے میں ڈھل کر آیا جو خالق کا بھی حبیب ہے اور مخلوق کا بھی محبوب اور اس نے دیا جسکا اختیار اور حق تھا کہ دے اور اس ذریعہ سے دیا جو طریق حق تھا جیسا کہ فرمایا **ماانزلنا علیک القرآن لتشقیٰ** وہ شجرہ جسے شیطان نے جھوٹ بول کر دھوکہ دینے کیلئے شجرۃ الخلد کہا اسکا نتیجہ شقاوت فرمایا اور یہ شجرہء مبارکہ شقاوت سے بچانے والا ہے۔

دوسری بات جو سورۃ طٰحہٰ کی آیت **لاتعجل بالقرآن** سے اصولی طور پر ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے گناہ کا ارتکاب یعنی عمداً نافرمانی کا ارتکاب نہیں کیا ہاں ان سے بھول ہوئی فنسی فرمایا کہ آدم سے غلطی کا موجب نسیان تھا اور اسی نسیان کا خمیازہ آدم اور آدم کی نسل کو جنت سے نکالے جانے کی صورت میں بھگتنا پڑا لیکن جسکو شجرہء مبارکہ قرآنی عطا ہوا جو المدثر ہے اسکے متعلق فرمایا **سنقرءک فلاتنسیٰ** کہ ہم تجھے سکھائیں گے ہم تجھے پڑھائیں گے اور اسطرح سکھائیں گے اور ایسا پکا سبق دیں گے کہ **فلاتنسیٰ** تو بھولے گا نہیں **الاماشاءاللہ** یعنی الا ماشااللہ شاذ کے طور پر کوئی بات بھول جائے تو یہ بشر کے ساتھ لگا ہوا ہے اور اس قسم کی بھول خدائی وعدہ میں تخلف نہیں ہوگا ہاں ہمارا یہ وعدہ ہے کہ ویسی بھول کبھی نہیں ہوگی جیسی آدم سے ہوئی تجھے تیرا رب ہمیشہ اس بات سے محفوظ رکھے گا اور اس کلام کو بھی جو تجھ پر نازل ہوا کہ یہ بھول باقی رہے جب بھی کبھی بھول ہوگی اللہ تعالیٰ یاد کرا دے گا کبھی کوئی ایسی بات نہیں بھولے گا جو بھولنے کے لائق نہیں جسکے بھولنے سے تیری ذات پر حرف آئے یا تیری امت کی لئے کسی بھی قسم کی سعادت سے محرومی ہو اگر بھولے گا تو تیری بھول بھی برکت و سعادت کا موجب ہوگی قربان جاؤں اسکے اور اسکے رب کے اور میرے ماں باپ قربان اسکے اور اسکے رب کے کہ جسکی بھول بھی برکت و سعادت کا موجب ہے ہرگز نہیں ہرگز نہیں صرف اور صرف ہمارے سید و مولا المدثر صلعم ایک ایسے انسان ہیں جنکی ہر بھول آپ کی امّت کیلئے بلکہ ساری نوع انسان کیلئے بابرکت تھی اگر کبھی نماز میں بھول گئے تو سجدہء سہو کا حکم آپ کے رب نے دے کر امّت کیلئے بہت برکت کے سامان کر دئے چنانچہ **سنقرئک فلاتنسی الاماشاءاللہ** کے بعد فرمایا **ونیسرک للیسریٰ** انشاءاللہ خیر و برکت ہی ہوگی اس یسر کا تعلق حضور صلعم کی ساری تعلیم اور ساری سنت کے ساتھ ہے اور ہر حال

اور ہرصورت میں آپ کے خدا نے امت کے لئے یسر کے سامان فرمائے لیکن یہاں چونکہ **فلاتنسیٰ الاماشاءاللہ** پہلے فرمایا تھا اسلئے خاص طور پر یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ نہیں بھولیں گے یسر پیدا کرے گا اور یہ استثناء کہ شاذ کے طور پر بعض باتیں بتقاضائے بشریت مشیت الٰہی بھول بھی جائیں تو ہرگز تخلّف وعدہ نہیں ہوگا بلکہ یہ بھی یسر وبرکت کا موجب ہوگا سبحان اللہ کیا مبارک یہ وجود تھا جسکی بھول بھی یسر وبرکت اور سعادت مندی کا ذریعہ تھی اور ہے۔

غرض آدم کے متعلق **نسیَ** اور آنجناب کے متعلق **فلاتنسیٰ** کہ کر جوفرق بیان فرمایا تھا یہ فرق مراتب بھی آنجناب کو المدثر کے خطاب کا مستحق اور لائق بنانے والا تھا یہ نکتہ اہل دل کیلئے سمجھنے کے لائق اور اہل عرفان کیلئے اسرارالٰہیہ کے پانے کا موجب ہے چنانچہ اس فرق مراتب کو واضح کرنے کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا میرا تو یقین ہے کہ حضرت آدم کی استعداد میں کسی قدر تساہل تھا تب ہی تو شیطان کو وسوسہ کا قابو (غالباً موقع ہے کاتب یا ملفوظات لکھنے والے سے ضبط میں غلطی ہوئی) مل گیا واللہ اگر اس جگہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم سا جوہر قابل کھڑا کیا جاتا تو شیطان کا کچھ بھی پیش نہ جاتا (بدر جلد ۱۲)

غرض المدثر دثور سے بھی ہوسکتا ہے جسکے معنی سرعۃ النسیان کے ہیں اور اس سے باب تفعُّل ہو تو تدثر کے معنی ہونگے جلد بھولنے سے محفوظ رہا اور تفعیل سے ہو تو دَثَّر کے معنی اس باب کے خاصہ سلب کی بناء پر جلد بھولنے کی کمزوری اور بیماری کو دور کرنے کے ہونگے المدثّر جو سرعۃ نسیان سے بچا رہے المدثر سرعۃ نسیان سے محفوظ کرنے والا اور بچانے والا یہ وصف سیرت محمدی کا ایک غیر معمولی وصف ہے اور آپ کی تعلیم کی ایک بےنظیر اور نمایاں خصوصیت ہے حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلعم نے فرمایا **ان اللہ تجاوز لی عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ** (سنن ابن ماجہ ابواب الطلاق باب طلاق المکرَہ والنسائی) اللہ تعالیٰ نے میری خاطر اور میری وجہ سے میری امت سے خطاء نسیان اور وہ کام جن پر ان میں سے کسی کو مجبور کیا جائے ان تینوں چیزوں سے درگزر فرمایا ہے اور ان تین باتوں پر ان سے مواخذہ نہیں ہو گا اس حدیث میں جو لفظ خاص طور پر غور کے لائق ہے وہ لی ہے اگرچہ دوسری روایتوں میں لی کے بغیر بھی آیا ہے اور مجھے یہ حدیث اسی طرح یاد تھی لیکن جب میں نے المدثر کے معنوں کی تعیین کے ضمن میں نئے سرے سے تحقیق کی تو مجھے حضرت ابوذر کی یہ مندرجہ بالا روایت ملی اور اس میں لی کے لفظ کی زیادتی نے مجھے مزید شرح صدر عطا فرمایا کہ یہ معنے جو مجھے سمجھ میں آئے ہیں صحیح ہیں اور قرآن اور حدیث سے انکی کئی طرح سے تائید ہوتی ہے پس لی کا لفظ بہت قابل غور ہے نبی اکرم صلعم نے صرف یہی نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطاء ونسیان کے نتیجہ میں صادر ہونے والے افعال کے مواخذہ کو اٹھالیا ہے اور اس بارے میں درگزر فرمایا ہے بلکہ فرمایا کہ لی یہ میرے خدا نے میری خاطر کیا ہے شفاعت محمدی کے نتیجہ میں اس امت پر یہ احسان ہوا ہے کہ خطاء ونسیان اور مجبوری کے تحت جو کام ہوں ان سے اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے گا اور میرے نزدیک یہی المدثر کی خصوصیت ہے کہ اسکی خاطر اور اسکی شفاعت کی برکت سے اور اسکی تعلیم کے پاک اصولوں کیوجہ سے انسان خطاء ونسیان کے اس خمیازے سے محفوظ رہے گا جو آدم علیہ السلام کے فعل کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔

تیسری بات جو سورۃ طٰہٰ کی آیت **لاتعجل بالقرآن من قبل عن یقضیٰ علیک وحیہٗ وقل ربّ زدنی علما ولقد عھدنا الی آدم فنسی** میں بیان ہوئی وہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے قصور کی بنیادی وجہ عجلت اور جلد بازی تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عجلت انسان میں نسیان کا میلان پیدا کرتی ہے یہ عجیب بات ہے اور قریباً ہر انسان کو کبھی نہ کبھی اسکا تجربہ ہوتا ہے کہ جتنی جلدی کی جائے بعض اوقات کام میں اتنی ہی دیر ہوتی چلی جاتی ہے اور جلدی کے نتیجہ میں بجائے کام بننے کے بگڑ جاتا ہے اور بجائے وقت بچنے کے اور زیادہ دیر ہوتی ہے۔ ایک شخص سفر پر جارہا اور بہت جلدی میں ہے تو کبھی ایک چیز بھول رہا ہے کبھی دوسری کبھی جلدی میں کوئی چیز اٹھا کر پٹخ رہا ہے کبھی کسی پر ناراض ہو رہا ہے کبھی کسی سے الجھ رہا ہے یہ نظارہ ہر انسان کے مشاہدہ میں اکثر آتا ہے بھیڑ بھاڑ میں جلدی سے نکلنے کی وجہ سے کتنے ہولناک حادثات پیش آتے ہیں کسطرح قیمتی جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ یہ بھی انسان کے مشاہدہ میں اکثر آتا رہتا ہے کتنی دفعہ دیکھا گیا ہے کہ ایک ہال میں بہت سے لوگ جمع ہیں اور ہال میں آگ لگ گئی سب نے دوڑ کر ایک دوسرے سے پہلے نکلنے کی کوشش کی اور کوئی بھی نہیں بچا کچھ کچلے گئے کچھ روندے گئے کچھ سانس گھٹ کر مر گئے کچھ جل کر خاک ہوگئے اور برخلاف اسکے اگر انہوں نے تحمل سے کام لیا اور بغیر

جلدی کے باری باری نکلے تو سب بچ گئے اسکی مثالیں بھی تاریخ انسانی میں کم نہیں جن لوگوں نے نفسیات انسانی پر غور کیا ہے وہ اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جلد بازی اور آگے بڑھ کر دوسروں سے پہلے کچھ حاصل کرنے کا رجحان قوموں کے کردار میں کسطرح سے تباہ کن رجحانات پیدا کر دیتا ہے جسکے نتیجہ میں وہ آہستہ آہستہ قومی مفادات کو بالکل بھلا دیتے ہیں برخلاف اسکے کیو لگانا اور صبر کیساتھ اپنی باری کا انتظار کرنا اور تحمل سے کام لینا قوموں کے اندر ایسے بہترین اوصاف پیدا کر دیتا ہے جو خطرناک مواقع پر قوموں کی تقدیر کا دھارا موڑنے کا موجب اور انکو تباہی سے بچانے والا ہوتا ہے۔ جنگ عظیم دوم کی ابتداء میں جرمن قوم کی طاقت اور تیاری اور انگریز کی بے بضاعتی کا نقشہ ذہن میں جمائیں اور آخر کار جرمن قوم کی مکمل تباہی اور انگریزوں کی فتح مندی کو سامنے رکھیں تو جو چیز سامنے آتی ہے وہ دونوں قوموں کے کردار کا فرق ہے نہ کہ مادی وسائل جہاں تک میں نے غور کیا ہے وہ اسباب جنکے نتیجہ میں آخر کار انگریز کو فتح ہوئی وہ انگریز کے کردار کے بعض اچھے پہلو تھے جن میں سے ایک نمایاں پہلو انکی یہ خوبی ہے کہ انتہائی خطرناک حالات میں بھی تحمل سے کام لینا اور بہت سوچ سمجھ کر پلان بنانا اور قوم کا یہ وصف ہے کہ جلدی میں بھیڑ بھاڑ نہ کی جائے بلکہ تحمل سے اپنی باری کا انتظار کیا جائے جسے دوسرے لفظوں میں کیو کہتے ہیں یہ ایک تاریخی مثال میں نے دی ہے اور تاریخ انسانی سے ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں غرض عجلت اور جلد بازی ایک مزموم وصف ہے جو ان بواعث میں سے ہے جس سے نسیان پیدا ہو جاتا ہے اور حقیقی منفعت اور قومی مفاد فراموش ہو جاتا ہے۔

اسکے علاوہ بعض اور بھی نفسیاتی عوامل ہوتے ہیں مثلاً تحت الشعور میں کسی چیز کیلئے غیر معمولی خواہش کا پیدا ہو جانا اور انسان کا اسکو دبانا بجائے اسکے کہ اس خواہش کو شعور کی سطح پر لائے اور حکمت اور دلائل سے اپنے نفس کو سمجھائے کہ یہ بات مضر اور نقصان کا موجب ہے اسکو دبانے کی کوشش یہ چیز بھی نسیان کا مرض پیدا کرنے کا موجب ہوتی ہے۔ قرآن کریم اور آنحضرت صلعم کے نمونہ میں ہمیں یہ خوبی نظر آتی ہے کہ ان دونوں باتوں کا ازالہ کیا گیا ہے ایک طرف خواہشات کے سلسلہ میں یہ تعلیم اور نمونہ نظر آتا ہے کہ جائز خواہشات کے جائز طور پر پورا کرنے کے سامان کئے گئے ہیں اور انکے بارے میں جو انسان میں مجرم ضمیری کا احساس پیدا کیا گیا تھا اسکو دور کیا گیا ہے اور دوسری طرف جو خواہشات ناپاک اور کسی صورت جائز نہیں انکو دبانے کی بجائے دلیل اور حکمت سے اس مادہء خبیثہ کو دور کرنے کی تدابیر سکھائی گئی ہیں اور جو نسیان جلد بازی کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے اسکا بھی علاج کیا گیا ہے جیسا کہ سورۃ طٰہٰ کی مندرجہ بالا آیت میں نیز قرآن کریم اور احادیث نبوی میں جلد بازی کو بہت مزموم قرار دیا گیا ہے اور کفر اور بے ایمانی کی وجوہات اور ہلاکت کے اسباب میں سے ایک سبب عجلت کو قرار دیا گیا ہے جیسا کہ سورۃ انبیاء میں فرمایا خلق الانسان من عجل ساریکم آیاتی فلا تستعجلون یعنی انسانی فطرت میں یہ عیب ہے کہ وہ بہت جلد بازی کرتا ہے۔ اے انسانو مجھ سے جلد بازی نہ کرو میں تمہیں اپنے نشان دکھاؤں گا اور ضرور دکھاؤں گا مگر وہ نشان تمہارے مطالبہ پر نہیں بلکہ جب خدا کی حکمت چاہے گی دکھائے جائیں گے یہ آیت بتاتی ہے کہ بہت سے کافر جو اندھے مرے اسکی وجہ انکی جلد بازی تھی اگر وہ جلد بازی نہ کرتے اور صبر سے نشانات کا انتظار کرتے تو ہلاک نہ ہوتے۔ غرض قرآن کریم میں جابجا جلد بازی کی مزمت کی گئی ہے اور اسکو نسیان کی یعنی اس نسیان کی جو نفسیاتی عوامل کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے وجوہات میں سے قرار دیا گیا ہے اسی طرح سے جب ہم رسول اللہ صلعم کی سیرت پر نظر کرتے ہیں تو آپ کے سیرت نگار اسی پر متفق نظر آتے ہیں کہ آنحضور صلعم جلد بازی کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور ہر کام میں آہستگی اور سوچ سمجھ کر تحمل کیساتھ اقدام کو پسند فرماتے تھے اور اسکی تائید فرماتے تھے چنانچہ جب آپؐ نے بعض صحابہ کو نماز میں شامل ہونے کیلئے دوڑتے آتے دیکھا تو ناپسند فرمایا اور فرمایا علیکم بالسکینۃ والوقار یعنی سکینت اور وقار کے ساتھ چلو دوڑو نہیں۔

یہ مضمون بہت وسیع ہے کہ قرآن کریم نے کسطرح ان عوامل کا پتہ دیا اور انکا علاج تجویز فرمایا جنکے نتیجہ میں وہ خطرناک نسیان پیدا ہوتا ہے جسکے نتیجہ میں شیطان کو موقع مل گیا اور وہ آدم اور اسکے ساتھ والوں کو جنت سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا یہاں صرف اتنا بیان کرنا مقصود ہے کہ المدثر میں خاتم الانبیاء کی جن صفات اور خصوصیات کا ذکر ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آنجناب نے نسیان کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بنیادی نقص کا تدارک کیا جسکے بوجھ کے نیچے نوع انسان ایک رنگ میں handicapped چلے آ رہے تھے اور جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے پیش گوئی کی تھی جسکو قرآن کریم میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ **یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم** (سورۃ

الاعراف) کہ وہ نبی رحمت انسانوں کوان بوجھوں سے نجات دے گا اوران طوقوں سے انکی گردنوں کو آزاد کرائے گا جن بوجھوں کے نیچے انسان دبا ہوا تھا اور جن طوقوں نے اسے شیطان کی غلامی سے کامل آزادی سے روک رکھا تھا اوران بوجھوں میں سے ایک بوجھ وہ نسیان تھا جسکی وجہ سے شیطان کو دھوکہ دینے کا موقعہ ملا اور حضرت آدم جنت سے نکالے گئے اسکی طرف وہ دعا نہایت پرحکمت دعا بھی اشارہ کرتی ہے جوسورۃ البقرۃ کے آخر میں امت محمد یہ کوسکھائی گئی ہے **ربنالاتواخذناان نسینا اواخطاء نا ربناولاتحمل علینا اِصراً کماحملۂ علی الّزین من قبلنا ربناولاتحمّلنا مالا طاقۃ لنابہ واعف عنّا واغفرلناوارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین** اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا نادانستہ ہم سے قصور ہوجائے تو ہم سے مواخذہ نہ کی۔جیو اوراے ہمارے رب ہم پروہ بوجھ نہ ڈالیو جن کے نیچے پہلی امتیں دبی ہوئی تھیں اور ہمارے رب ہم پروہ بوجھ نہ ڈالیو جسکا اٹھانا ہماری طاقت سے باہر ہو اور ہم سے ہمیشہ درگزر کا معاملہ کی۔جیو بخش دیجیو اور رحم کی۔جیو اور کافروں کے مقابل ہمیشہ تو ہی ہمارا نصرت شعار ہونا کہ ہم انکے بداثرات کا مقابلہ تیری نصرت اور تائید کے بغیر نہیں کرسکتے۔یادرہے کہ یہ جودعا سکھائی کہ اگر ہم نسیان کے سبب غلطی کریں تو مواخذہ نہ کی۔جیو اسکے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ وہ نفسیاتی عوامل جن کے نتیجے میں نسیان پیدا ہوتا ہے ان سے اللہ ہمیں بچائے اور دوسرے یہ کہ اگر قصور ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دے جسطرح استغفار کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ اس میں بھی دو معنی ہوتے ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کمزوریوں کو ڈھانپ دے جنکے نتیجہ میں گناہ کا صدور ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ اگر گناہ ہوجائے تو وہ غفور رحیم اسکی سزا سے بچالے۔

غرض المدثر کے ایک معنی یہ ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے اپنے سب سے پیارے نبی پراس احسان کا ذکر ہے جوفرمایا کہ **سنقرءک فلاتنسیٰ** جسکے نتیجے میں نوع انسان اس بوجھ سے آزاد کئے گئے جسکے نیچے وہ آدم کے **نسی ولم نجدلہ عزما** کے زمانے سے چلے آرہے تھے اور یہ بہت ہی اہم معنے ہیں اور اسکے ضمن میں ایک اور معنی بھی ہیں کہ دثور کے معنی زنگ لگنے کے بھی ہوتے ہیں اور باب تفعیل میں اسکے معنی سلب کے ہوئے جسطرح کہتے ہیں **قزیت عین فلاء** میں نے فلاں کی آنکھ میں جو تنکا پڑ گیا تھا اسے نکال دیا دور کردیا پس دُثّر کے معنی زنگ دور کرنے کے ہوئے حدیث میں یہ لفظ ان معنوں میں آیا ہے ابودرداء انصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا **ان القلب یدثر کمایدثرالسیف فجلاء بذکراللہ** کہ انسان کے دل کو بھی اسی طرح زنگ لگ جاتا ہے جسطرح تلوار کو زنگ لگ جاتا ہے اور اسکا علاج ذکرالٰہی ہے انسان کے قلب وذہن کو تلوار سے اور اسکی غفلت کو زنگ سے تمثیل دینا کمال بلاغت ہے۔ آنخضرت صلعم نے کمال فصاحت وبلاغت سے یہ بات ذہن نشین کروائی ہے کہ ذکرالٰہی کے بغیر انسان کا دماغ اور اسکی روحانی قابلیتیں زنگ خوردہ تلوار کی طرح ہیں کہ بے فائدہ اور بے مصرف ہیں جسطرح زنگ خوردہ کند تلوار کچھ کام نہیں آتی اسی طرح ذکرالٰہی سے غافل قلب و نفس بے فائدہ ہیں پس اس حدیث میں خود نبی کریم صلعم نے دثور اور مدثر کے معنی کردئے کہ اسکے معنی زنگ لگنے کے اور مدثر کے معنی زنگ دور کرنے والے کے ہیں غرض جب دثور کو نسیان کے معنوں میں لیں تو مدثر کے خطاب میں آنخضرت صلعم کے پاک نمونے اور پاک تعلیم کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ ہے جو نیکی کو قائم رکھتی اور مٹنے نہیں دیتی اور جب دثور کو زنگ لگنے کے معنی میں لیں تو المدثر کے معنی ہوئے کہ وہ انسان کامل جو روح انسانی کو صقیل کرنے والا اجلاء بخشنے اور اسکی روح سے اور اسکے قلب سے زنگ دور کرنے والا ہے۔

----------ختم شد----------